Surah Nisa (Ayat 92-100)

Fi Zilaal Al Quran:

92-93: وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۚ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۗ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۙ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ○

ان احکام کا تعلق چار قسم کے حالات سے ہے تین کا تعلق جرم قتل خطا سے ہے۔ یہ قتل دارالاسلام کے اندر بھی وقوع پذیر ہو سکتا ہے اور بین الاقوامی طور پر بھی ایسے افراد کے درمیان ہو سکتا ہے جو مختلف ممالک کے شہری ہوں۔ چھوتی حالت کا تعلق قتل عمد بین المسلمین سے ہے جسے اسلام بالکل بعید الوقوع سمجھتا ہے۔ اسلام مسلمانوں سے یہ توقع کرتا ہے کہ یہ جرم واقع ہی نہ ہو۔ اس لیے کہ اگر پوری دنیا کے مفادات کو ایک پلڑے میں رکھا جائے اور دوسری جانب ایک بے گناہ مسلم کا خون رکھا جائے تو دم مسلم کا پلڑا بھاری ہوگا۔ اسلام اس دنیا میں کسی ایک حالت کا تصور نہیں کرتا جس میں ایک مسلمان کی جانب سے مسلمان کے قتل کا جواز پیدا ہوتا ہو۔ اسلام ایک مسلمان اور دوسرے مسلمان کے درمیان اس قدر سنجیدہ، اس قدر گہرے اس قدر عظیم اس قدر قیمتی اس قدر عزت واحترام کے تعلقات پیدا کرتا ہے کہ وہ یہ فرض ہی نہیں کرتا کہ ان کے درمیان تعلقات اس قدر خراب بھی ہو سکتے ہیں کہ نوبت قتل مقاتلے تک پہنچ جائے، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید سب سے پہلے قتل خطا سے بات شروع کرتا ہے۔

(آیت) "وماکان لمومن ان یقتل مومنا الاخطا"۔ (۴: ۹۲) "(مومن کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ دوسرے مومن کو قتل کرے الا یہ کہ اس سے چوک ہو جائے")۔ اسلامی شعور میں صرف اس صورت کا تصور آ سکتا ہے کہ بھول چوک سے یہ جرم واقع ہو سکتا ہے۔ یہی حقیقی احتمال ہے، اس لیے کہ کسی مسلمان کا دوسرے مسلمان کے پڑوس میں رہنا ایک عظیم بات ہے۔ یہ ایک عظیم نعمت ہے، بہت ہی عظیم۔ لہٰذا اسلامی شعور اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ کوئی مسلم دوسرے مسلم کو اپنے پڑوس سے علیحدہ کر دے اور یہ تو بہت ہی بری بات ہو گی کہ وہ قصداً وارادتاً ایک مسلمان کے خلاف قتل اٹھائے اس لیے کہ یہ اس کرہ ارض پر ایک مسلمان کے لیے ایک نہایت ہی قیمتی سرمایہ ہے۔ اس قیمتی سرمائے کے بارے میں صرف مسلمان سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اس کی قدر و قیمت کو جانے، اس لیے اسلامی اخلاقیات میں یہ بات بھی ہی مشکل ہے کہ ایک مسلم، مسلم کو قتل کر دے، یہ وہ معاملہ ہے جسے صرف اہل اسلام اور اسلام دوست ہی سمجھ سکتے ہیں۔ وہ اپنے نفس اور اپنے شعور کے اندر

اس کا احساس رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسلامی نظریہ حیات اور اسلامی بھائی چارے کے ذریعے اہل اسلام کو یہ اخوت سکھائی ہے۔ یہی وہ برادری ہے جس کی وجہ سے وہ سب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے گرد جمع ہیں۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد یہ نظریہ ان کو اللہ کے نام پر جمع اور متحد رکھتا ہے۔ ان کے درمیان اسلامی اخوت اور محبت پیدا ہوتی ہے اور یہ سب کچھ زبانی ہدایات کی وجہ سے ہے۔

اگر قتل خدا واقعہ ہو جائے تو اس کی تین حالتیں ہیں اور تینوں کے احکام یہاں بیان ہو گئے ہیں۔

پہلی حالت یہ ہے کہ کسی مومن کے ہاتھوں غلطی سے دار الاسلام کے اندر دوسرا مومن قتل ہو جائے اور اس کا خاندان بھی مسلمان ہو۔ اس صورت میں اسے ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہو گا اور پوری دیت اس مسلمان کے خاندان کو ادا کرنی ہو گی۔ ایک مومن غلام کو آزاد کرنے کا تاوان گویا اسلامی معاشرے کو اس کے نقصان کی تلافی کے طور پر ادا کرے گا۔ اس لیے غلام کو آزاد کر کے اس نے ایک مردہ انسان کو آزادی دلا کر زندہ کر دیا۔ اس طرح گویا یہ کئی غلاموں کو آزاد کر دے گا۔ رہی دیت تو اس کی وجہ سے مقتول کے ورثا کے جذبات ٹھنڈے ہوں گے۔ لیکن اس معاوضے کے فرض کرنے کے ساتھ ساتھ اسلام مقتول کے خاندان کو یہ اشارہ بھی دیتا ہے کہ اگر وہ دیت معاف کر دیں تو یہ ان کے حق میں اچھا ہے بشرطیکہ ان کے دل برضا اس کے لیے تیار ہوں۔ اسلامی معاشرے اور اسلامی اخوت کے لیے عفو و درگزر نہایت ہی مفید عمل ہے حکم ہوتا ہے۔

(آیت) "ومن قتل مومنا خطا فتحریر رقبۃ مومنۃ ودیۃ مسلمۃ الی اھلہ الا ان یصدقوا (۴ : ۹۲) (اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ ایک مومن کو غلامی سے آزاد کر دے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے الا یہ کہ وہ خون بہا معاف کر دیں)

دوسری صورت یہ ہے کہ قتل خطا کا جرم ایک مومن پر واقع ہو اور اس کے وارث دار الاسلام کے ساتھ محارب ہوں اس حالت میں دار الاسلام کے نقصان کا معاوضہ یہ ہو گا کہ قاتل کو ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہو گا لیکن اس کے محارب خاندان کو دیت ادا نہ ہو گی کیونکہ اس صورت میں وہ اس دیت کو مسلمانوں کے خلاف استعمال کریں گے اور یہاں یہ صورت بھی نہیں ہے کہ مقتول کے اہل و عیال کی دلجوئی مطلوب ہے یا ان کے ساتھ محبت کے رشتوں کی بحالی مطلوب ہے اس لیے کہ وہ مسلمانوں کے دشمن ہیں اور ان سے برسر پیکار ہیں۔

تیسری حالت یہ ہے کہ مقتول کے وارث معاہد ہوں' ان کے ساتھ معاہدہ امن ہو یا معاہدہ دوستی ہو' ایسے حالات میں قرآن کریم نے مقتول کے مومن ہونے کی شرط عائد نہیں کی۔ اس لیے بعض فقہاء اور مفسرین نے اس حالت میں آیت کے حکم کو مطلق رکھا ہے اور حکم دیا ہے کہ ایسے حالات میں بھی قاتل کو ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہو گا اور مقتول کے وارثوں کو دیت ادا کرنی ہو گی اگرچہ یہ مقتول مومن نہ ہو' اس لیے کہ مومنین کے ساتھ معاہدہ کرنے کی وجہ سے ان کے جان و مال کو بھی مومنین کی جان و مال کے ساتھ مساوی درجہ ہو گا۔

لیکن یہ معلوم ہوتا ہے کہ آغاز کلام سے بات ایک مومن کے قتل کے بارے میں چلی ہے۔ آیت ہے " مومن کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ مومن کو قتل کرے' الا یہ کہ اس سے چوک ہو جائے۔" اس کے بعد وہ حالات بیان ہوئے ہیں جن میں مقتول مومن ہو اور دوسری حالت میں جب مقتول کا تذکرہ ہوا پھر کہا گیا (آیت) ' (فان کان من قوم عدو لکم وھو مومن) (اگر وہ ایسی قوم کا فرد ہو جو تمہاری دشمن ہے لیکن ہو مومن) یہاں (آیت) " (وھو مومن) اس لیے کہا گیا کہ اس سے پہلے (آیت) " من قوم عدو"۔ کے الفاظ آئے تھے۔ اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ تیسری حالت کی دیت میں بھی (آیت) رقبہ موبتہ" کی شرط ہے۔ اگر مقتول میں مومن شرط نہ ہوتی تو رقبہ میں بھی مومن شرط نہ ہوتی صرف تحریر رقبہ کا لفظ ہوتا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقتول یہاں بھی مومن ہے' ورنہ کفارہ میں بھی ایمان کی شرط نہ ہوتی۔

روایات میں آتا ہے کہ اہل معاہدہ میں بعض لوگوں کی دیت حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ادا فرمائی مگر آپ نے یہ حکم نہیں دیا کہ مومن غلاموں کو آزاد کیا جائے (ایسی کوئی روایت نہیں ہے) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مقتول معاہد مومن نہ ہو تو صرف دیت واجب ہے اور یہ دیت اس آیت کی رد سے ثابت نہیں بلکہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عمل سے ثابت ہے۔ اور اس آیت میں جن تین صورتوں کا ذکر ہوا ہے وہ تمام صورتوں قتل مومن سے متعلق ہیں چاہے وہ مومن دارالاسلام کا باشندہ ہو یا کسی محارب قوم کا باشندہ ہو اور دارالحرب میں ہو یا ان کے درمیان معاہدہ ہو۔ چاہے امن کا معاہدہ ہو یا حلیف ہونے کا معاہدہ ہو۔ یہ تفسیر سیاق کلام کے ساتھ زیادہ مناسب ہے۔

یہ تو تھا حکم قتل خطا کا' رہا قتل عمد تو یہ قتل اس قدر بڑا گناہ ہے کہ ایمان کے ساتھ اس کے ارتکاب کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس کا کفارہ نہ دیت سے ہوتا ہے اور نہ غلام آزاد کرنے سے یہ گناہ معاف ہو سکتا ہے۔ اس شخص کی سزا یہ ہے کہ وہ اللہ کے عذاب کے حوالے ہو گا۔

(آیت) " ومن یقتل مومنا متعمدا فجزآ وہ جھنم خلدا فیھا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعدلہ عذابا عظیما"۔ (۴ : ۹۳) (وہ شخص جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی جزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لیے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے)

یہ جرم قتل ہے' لیکن صرف کسی جان کے خلاف ہی نہیں بلکہ یہ ایک عظیم' مکرم' محبوب' ترین اور عزیز ترین اخوت اسلامی کا بھی قتل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ایک مومن اور دوسرے مومن کے درمیان پیدا کیا تھا۔ یہ ناحق' ہی نہیں نظریہ حیات اور ایمان کی بھی نفی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے کئی مقامات کے اندر اسے شرک کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور بعض سلف نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ یہ توبہ کے ذریعے بھی معاف نہ ہو گا۔ حضرت ابن عباس کی رائے یہی ہے۔ البتہ بعض دوسرے علماء کی رائے یہ ہے کہ معافی ہو سکتی ہے اور انھوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔

(آیت) " (ان اللہ لایغفران یشرک بہ ویغفرمادون ذلک لمن یشآئ) (اللہ تعالیٰ اس بات کو معاف نہیں کرتے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے اور اس کے سوا وہ جسے چاہے بخشتا ہے) اس لیے قاتل اگر توبہ کرے تو اس کی مغفرت کی امید کی جاسکتی ہے۔ ایسے لوگوں نے خلود کا مفہوم یہ بتایا ہے کہ اس سے مراد طویل زمانہ ہے۔

وہ لوگ جنہوں نے پہلے اسلامی مدرسہ میں تربیت پائی تھی وہ اپنے آباواجداد' بیٹوں اور بھائیوں کے ان قاتلوں کو بچشم سر دیکھ رہے تھے، جنہوں نے یہ قتل اسلام سے پہلے کئے تھے اور اب اسلام میں داخل ہوگئے تھے۔ ان میں سے بعض کے دلوں میں وہ تلخیاں دوبارہ تازہ ہو جاتی تھیں۔ لیکن وہ ان لوگوں سے انتقام لینے کے بارے میں سوچتے بھی نہ تھے۔ وہ کبھی بھی انتقام کے بارے میں نہ سوچتے تھے اور نہایت ہی سخت حالات اور سخت چھپن کے وقت بھی ان کے دل میں قتل کا خیال تک نہ آتا تھا بلکہ ایسے لوگوں کو اسلام نے جو حقوق دیئے تھے' وہ ان میں سے کسی حق کو بھی مارنے کی کوشش نہ کرتے تھے۔

کسی مومن کے قتل سے بچنے کی خاطر اگرچہ چوک سے ہو' اور مسلمانوں کے دلوں کو تمام خواہشات سے پاک کرنے کی خاطر اور ان کے سامنے صرف فی سبیل اللہ جہاد کرنے کے مقصد کو اچھی طرح اجاگر کرنے کی خاطر مسلمانوں کو اب حکم دیا جاتا ہے کہ اگر وہ جہاد و قتال کے لیے نکلیں تو جنگ شروع کرنے سے پہلے یہ بات معلوم کرلیں کہ آیا لوگ مسلمان ہیں یا نہیں اور اگر کوئی بظاہر اظہار اسلام کر دے اور السلام علیکم کہہ دے تو حملہ نہ کریں۔ اس لیے کہ جنگ کے حالات میں وہ تفتیش نہیں کر سکتے کہ آیا یہ اظہار اسلام حقیقت پر مبنی ہے یا نہیں۔

94: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۭ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ○

اس آیت کے نزول کے بارے میں کئی روایات وارد ہوئی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے گشتی دستے کو ایک شخص ملا جس کے ساتھ اس کی بکریاں بھی تھیں۔ اس شخص نے اس فوجی دستے کو السلام علیکم کہا۔ مقصد یہ تھا کہ میں مسلمان ہوں۔ بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ اس نے السلام علیکم محض اپنے آپ کو بچانے کے لیے کہا ہے۔ اس لیے انھوں نے اسے قتل کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اس طرح نہ کریں۔ یوں ان کے دلوں سے تمام مفادات کا تصور ہی نکال دیا۔ ان کو یہ تاثر دیا گیا کہ وہ کسی فیصلے میں جلد بازی نہ کریں۔ اسلام ان دونوں باتوں کو پسند نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو یاد دلاتے ہیں کہ وہ دور اور وہ زمانہ دور تو نہیں ہے کہ تم بھی اسی جاہلیت کے اندھیروں میں تھے جس میں تمہارے فیصلے نہایت ہی جلد بازی اور سرکشی پر مبنی ہوتے تھے' تم صرف دولت کے متلاشی تھے۔ اللہ تعالیٰ انھیں جتلاتے ہیں کہ یہ اسی کا احسان تھا کہ اس نے

تمہارے دلوں کو پاک کر دیا اور تمہارے نصب العین بلند ہو گیا۔ اور اب وہ جاہلیت کی طرح دنیاوی مفادات کے لیے جہاد نہیں کر رہے اور یہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے قانونی حدود اور جابطے مقرر کئے اور اب یہ صورت نہیں ہے کہ پہلا اشتغال ہی آخری فیصلے صادر کر دے جس طرح جاہلیت میں ہوا کرتا تھا۔

اس آیت میں یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ دیکھو ایک وقت تھا کہ تم خود اپنی قوم سے اپنے ایمان کو چھپاتے تھے اس لیے کہ تم کمزور تھے اور خوفزدہ تھے۔ صرف مسلمانوں کو پتہ ہوتا تھا کہ کون مسلمان ہے اور کون نہیں۔ یہ مقتول اپنی قوم سے اسلام کو چھپا رہا تھا اور جب وہ مسلمانوں سے ملا تو اس نے اپنا اسلام ظاہر کر دیا اور السلام علیکم کہا۔

(آیت) " (کذالک کنتم من قبل فمن اللہ علیکم فتبینوا ان اللہ کان بما تعملون خبیرا"۔ (۴ : ۹۴) (اسی حالت میں تم خود بھی تو اس سے پہلے مبتلا (رہ چکے ہو' پھر اللہ نے تم پر احسان کیا' لہٰذا تحقیق سے کام لو' جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے

یوں اسلام دل کی دنیا کو جھنجوڑتا ہے تاکہ دل زندہ ہوں' محتاط ہوں اور اللہ کی نعمت عظیمہ کا احساس کریں۔ اور اس احساس' خداترسی کے سائے میں اللہ کے احکام و قوانین کو نافذ کریں اور حالات کی اچھی طرح چھان بین کرنے کے بعد فیصلے کریں۔ آپ نے دیکھا کہ اس سبق میں بعض مقامی اور بین الاقوامی معاملات کو کس قدر شرح وبسط اور تفصیل سے لیا گیا ہے اور بالکل نئے میدان میں یہ قانون سازی کی گئی ہے۔ کس قدر پاکیزہ جذبے اور پاکیزہ اہداف کے ساتھ اور یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ آج سے چودہ سو سال پہلے یہ کام ہوا تھا جبکہ دنیا میں قانون بین الاقوام کا وجود ہی نہ تھا۔

95: لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

درس نمبر ۱۳۸ ایک نظر میں:

یہ سبق درس سابق اور اس سین بھی پہلے ایک سبق کے ساتھ گہری وابستگی رکھتا ہے اور اسی کے ساتھ پیوستہ ہے۔ گویا یہ ان دونوں اسباق کا تکملہ ہے۔ اگر بین الاقوامی معاملات اور قانون بین الاقوام کا پہلو پیش نظر نہ ہوتا' جس طرح اسلام نے پہلی بار اس شعبے میں قانون سازی کی تو ہم ان تینوں درسوں کو ایک درس شمار کرتے۔ کیونکہ ان کا موضوع اور مضمون ایک ہی ہے۔ اس سبق کا اساسی مضمون یہ ہے کہ تمام مسلمان

ہجرت کر کے دارالاسلام میں جمع ہو جائیں۔ ابھی تک جو لوگ دارالحرب اور دارالکفر میں رہ گئے ہیں وہ فوراً ہجرت کریں اور دارالاسلام میں پہنچ کر جان ومال سے جہاد کریں اور مکہ میں انھیں نسبتاً جو آرام ہے اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ رہتے ہیں اور وہاں انھیں جو سہولتیں حاصل ہیں، انھیں چھوڑ دیں۔ اور یہی مقصد اس سبق کے افتتاحی کلمات میں ہے جن میں کہا گیا ہے :

(آیت) "(لایستوی القعدون من المومنین غیر اولی الضرر والمجھدون فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم فضل اللہ المجھدین باموالھم وانفسھم علی القعدین درجۃ وکلا وعد اللہ الحسنی وفضل المجھدین علی القعدین اجرا عظیما"۔ (۹۵

مسلمانوں میں سے وہ لوگ جو معذوری کے بغیر گھر بیٹھے رہتے ہیں اور وہ جو اللہ کی راہ میں جان ومال سے جہاد کرتے ہیں دونوں کی حیثیت یکساں نہیں ہے۔ اللہ نے بیٹھنے والوں کی بہ نسبت جان ومال سے جاہد کرنے والوں کا درجہ بڑا رکھا ہے، اگرچہ ہر ایک کے لیے اللہ نے بھلائی کا (وعدہ فرمایا ہے، مگر اس کے ہاں مجاہدوں کی خدمات کا معاوضہ بیٹھنے والوں سے بہت زیادہ ہے

مدینہ میں تو کوئی بیٹھنے والا نہ تھا۔ مدینہ میں جہاد سے رکھنے والے یا تو منافقین تھے یا وہ لوگ تھے جو روڑے اٹکاتے تھے اور دونوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے درس سابق میں بات کی ہے۔

ہاں اس آیت کے متصلا بعد دوسری آیت میں ان لوگوں کو سخت تنبیہ کی گئی ہے جو ابھی تک دارالکفر میں بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ ہجرت کر کے مدینہ منتقل ہونے کی پوری پوری قدرت رکھتے ہیں اور ایسے ہی حالات میں وہ فوت ہو جاتے ہیں۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے جو بہت ہی بری جگہ ہے۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ضمانت دیتا ہے جو اللہ کی راہ میں ہجرت کرتے ہیں اور یہ اسی وقت سے شروع ہو جاتی ہے جب وہ گھر سے نکل پڑتے ہیں بشرطیکہ وہ یہ ہجرت خالصۃ اللہ کے لیے کرتے ہوں۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے ان کے وہ تمام خدشات دور کر دیئے ہیں جو یہ اقدام کرنے سے پہلے ان کو لاحق ہوتے ہیں، نیز اس وقت جو خطرات درپیش تھے اور جو خوفناک حالات تھے ان حالات میں ہمت کرنا مشکل اور تشویش کا باعث تھا۔

ہجرت اور جہاد پر بات مزید آگے بڑھتی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ دارالہجرت میں مسلمانوں کا باہم معاملہ کیا ہوگا اور دارالہجرت سے باہر دوسرے لوگوں کے ساتھ کیا تعلق ہوگا۔ خصوصا ان مسلمانوں کا انجام کیا ہوگا جو ہجرت نہیں کرتے۔

اس سبق میں حالت خوف میں نماز کی کیفیات کا بھی ذکر ہے۔ مثلاً ہجرت کے سفر کے دوران نماز اور میدان جنگ میں نماز، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی اسلام میں کس قدر اہمیت ہے کہ ایسے خطرناک حالات میں بھی اس کی معافی نہیں ہے۔ نیز مسلمانوں کے اندر ایسی حالت پیدا

کی جاتی ہے کہ وہ ذہنی طور پر ہر وقت جنگ کے لیے تیار رہیں کیونکہ حالات ایسے ہیں کہ معمولی غفلت اور لاپرواہی سے دشمن سخت فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

آخر میں یہ سبق نہایت ہی موثر ٹچ دیتا ہے اور مسلمانوں کو جہاد فی سبیل اللہ کے لیے ابھارتا ہے کہ ٹھیک ہے کہ تم کو نہایت ہی المناک مصائب کا سامنا ہے لیکن دشمنوں کی حالت بھی کوئی اچھی نہیں ہے اور ان کے نصب العین اور تمہارے نصب العین اور ان کی امیدوں اور تمہاری امیدوں میں فرق ہے۔

(آیت) " (ولا تھنوا فی ابتغاء القوم ان تکونوا تالمون فانھم یالمون کما تالمون وترجون من اللہ مالا یرجون"۔ (۴ : ۱۰۴) (اس گروہ کے تعاقب میں کمزوری نہ دکھاؤ اگر تم تکلیف اٹھا رہے ہو تو تمہاری طرح وہ بھی تکلیف اٹھا رہے ہیں اور تم اللہ سے اس چیز کے امیدوار ہو جس کے وہ امیدوار (نہیں

اس تصویر کشی کے ساتھ ہی دونوں گروہوں کے راستے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ دونوں کے منہاج علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ ہر دکھ اور ہر تکلیف مسلمانوں کے لیے آسان ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں کے دلوں سے سستی اور تھکاوٹ کا احساس ہی ختم ہو جاتا ہے اس لیے کہ آخر مخالف کیمپ کو بھی تو مشکلات کا سامنا ہے جبکہ ان کو اللہ کی جانب سے وہ امید نہیں ہے جو مسلمانوں کو ہے۔ اس سبق میں جن موضوعات پر بات ہوئی ہے اور جو اسلوب تربیت اپنایا گیا ہے اس کے اندر یہ بتایا گیا ہے کہ جماعت مسلمہ کی تکوین و تشکیل کے اندر جو تغیرات ہو رہے تھے اور جماعت کی عملی تشکیل میں جو مشکلات پیش آ رہی تھیں اور جو نظریاتی اور عملی رکاوٹیں تھیں ان سے تحریک اسلامی کس طرح نمٹ رہی تھی۔ لوگوں کے ذہنوں میں جو خدشات پیدا ہو رہے تھے اور جس طرح وہ کمزوری کا باعث بن رہے تھے یا سوسائٹی اور افراد جماعت کے نفوس کے اندر جاہلیت کے جو آثار باقی تھے اور وہ جس طرح مشکلات کا باعث بن رہے تھے نیز تحریک اسلامی کی راہ میں آنے والی نئی نئی مشکلات اور مصیبتوں کے باعث ذات انسانی کے قدرتی طور پر متاثر ہو جانے کی وجہ سے جو مسائل پیدا ہو رہے تھے اور ان مشکلات کے باوجود جو لوگ وفاداری بشرط استواری پر اپنے آپ کو قائم رکھے ہوئے تھے' ایسے تمام مناظر و مشاہد کی تصویر کشی اس سبق میں کی گئی ہے۔ ان تمام مسائل کو قرآن کے حکیمانہ منہاج نے لیا ہے اور انسانی ضمیر کو آمادہ کیا ہے اور جوش دلایا ہے کہ وہ ان مشکلات سے عہدہ برآ ہو۔

یہ تمام باتیں اصل صورت حال کا صحیح نقشہ کھینچ کر بتائی گئی ہیں اور ان کا اظہار حوصلہ افزائی اور جوش دلانے کے موثر انداز سے بھی ہوتا ہے اور اس علاج سے بھی ہوتا ہے جو فطری خدشات اور عملی مشکلات کے حل کے طور پر تجویز کیا گیا ہے۔ نیز عین میدان کارزار میں نماز پر جم جانے کے عمل سے بھی اس کا اندازہ اچھی طرح ہو جاتا ہے جبکہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ عین نماز کے وقت بھی وہ دشمن پر نظر رکھیں پھر مہاجرین کو

ثواب دراین کی ضمانت دی گئی ہے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں نکلتے ہیں ان کیلئے اجر اور کافروں کے لیے سخت درد ناک عذاب کے اعلان کے ذریعے ان تمام آلام ومشکلات کی تصویر سامنے آتی ہے۔

اس سبق سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانی نفس کے ساتھ اس کی کمزوری کی حالت میں اور اس کی قوت کی حالت میں سک طرح برتاؤ فرماتا ہے۔ نیز ایک انسانی جماعت کی تشکیل اور تربیت کس طرح کی جاتی ہے اور اس اسٹیج پر اس کے ساتھ معاملہ کس طرح کیا جاتا ہے، اس سلسلے میں ایک ہی آیت میں متعدد خطوط سامنے آتے ہیں۔ چند لفظوں میں جماعت کے دلوں کے اندر اس کی قوت اور برتری کا احساس اور شعور بھر دیا جاتا ہے اور اس کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ اسے اپنا دشمن حقیر نظر آنے لگتا ہے اور ساتھ ساتھ اسے خطرے کے مقابلے میں احتیاط' بیداری اور ہر وقت تیاری کا حکم بھی دیا جاتا ہے جبکہ اسی آیت میں ان مقامات کی نشاندہی بھی کر دی جاتی ہے جہاں کمزوری ہے۔ اور مقامات کمزوری کے بارے میں شدید اور نہایت ہی سخت ہدایات بھی دی جاتی ہیں۔

یہ ایک عجیب منہاج ہے' نہایت ہی مکمل اور انسانی نفسیات کے عین مناسب۔ نفس انسانی کی لوح پر نئے خطوط کھینچے جاتے ہیں اور مختلف نقاط کے درمیان نئے وتر قائم ہوتے ہیں اور یہ تمام تاریں زمزمہ آرا ہیں اور ہر تار مضراب ربانی کی ضرب پر فوراً حرکت میں آتی ہے۔

واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ تمام موجودہ سوسائٹیوں سے مدینہ کی اسلامی سوسائٹی اپنے منہاج تربیت کے اعتبار سے اور اپنی اجتماعی تنظیم کے اعتبار سے بہت بڑی فوقیت رکھتی ہے اور اس تفوق کا مشاہدہ اس وقت کی پوری انسانیت بچشم سر کر رہی تھی اور یہ دیکھ رہی تھی کہ یہ نوخیز سوسائٹی ان مشکل حالات میں ایک طرف تو اپنی کوتاہیوں اور کمزوریوں کا علاج کر رہی ہے اور دوسری جانب اپنے ارد گرد پھیلی ہوئی جاہلی سوسائٹیوں کو کھاتی چلی جاتی ہے۔ وہ بتدریج ان پر غالب ہوتی جا رہی ہے اور یہ غلبہ محض جنگی غلبہ نہیں بلکہ یہ ایک تہذیبی غلبہ ہے جس طرح جوان تہذیب بوڑھی اور از کار رفتہ تہذیبوں کو کھاتی چلی جاتی ہے۔ ایک نیا نظام ہے جو پرانے نظاموں پر غالب ہو رہا ہے۔ زندگی کا ایک نیا ماڈل دنیا کے سامنے شوروم میں سجایا گیا ہے ایک جدید دور اور ایک جدید انسان پیدا ہو رہا ہے۔ اس قدر تبصرے کے بعد اب آیات ونصوص کا سامنا کریں۔

96: دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

(آیت) " نمبر ۹۵ تا ۱۰۴۔

اس آیت میں اسلامی معاشرے کی ایک خاص صورت حال پر بحث کی گئی ہے۔ اس وقت مسلمانوں کی صفوں میں بعض لوگوں کی طرف سے سستی پیدا ہو رہی تھی۔ وہ اسلامی انقلاب کی راہ میں جان اور مال کی قربانی نہ دے رہے تھے۔ یہ لوگ وہ تھے جو مکہ میں اپنی دولت بچانے کے لیے ہجرت میں تاخیر کر رہے تھے' اس لیے کہ اہل مکہ کسی مہاجر کو اپنے ساتھ کوئی چیز لے جانے کی اجازت نہ دے رہے تھے۔ یہ سستی اس وجہ سے بھی پیدا ہو رہی تھی کہ ہجرت کی راہ میں سخت مشکلات' مصائب اور خطرات تھے' اس لیے کہ مشرکین کمزور لوگوں کو سرے سے ہجرت کی اجازت ہی نہ دیتے تھے۔ وہ انھیں پکڑ کر قید کر دیتے' اذیت دیتے یا اگر پہلے سے اذیت دی جا رہی ہوتی تھی تو جس کے بارے میں انھیں شبہ ہو جاتا کہ یہ بھاگنے کا ارادہ رکھتا ہے تو اسے مزید سخت اذیت دی جاتی چاہے ان آیات کا مدلول وہ لوگ ہوں جو دارالاسلام کو ہجرت کر کے منتقل نہ ہو رہے تھے۔ (میں اسی رائے کو ترجیح دیتا ہوں) یا اس سے مراد خود دارالاسلام کے اندر موجود بعض لوگ ہو سکتے ہیں جو مالی اور جانی جہاد میں زیادہ پرجوش نہ تھے۔ یہ لوگ ان لوگوں سے علیحدہ تھے جو جہاد کے معاملے میں سست رو اور پہلو تہی کرنے والے تھے اور جن کا ذکر سابقہ سبق میں ہو چکا ہے۔ ہو سکتا ہے ان آیات کے معنی میں وہ سب لوگ شامل ہوں جو دارالاسلام میں تھے اور جہاد سے پہلو تہی کر رہے تھے اور منافق تھے' یا مسلمان تھے مگر سست تھے یا وہ تھے جو سرے سے ہجرت ہی نہ کر رہے تھے کہ جہاد کریں۔ بہر حال بعض حلقے ایسے تھے جو سستی کر رہے تھے اور یہ آیت ایسی ہی صورت حال سے بحث کر رہی ہے۔ البتہ قرآن اس آیت میں مراد لوگوں کی تخصیص نہ کرتے ہوئے ایک عام قاعدے کے طور پر اصولی بات کرتا ہے' جس کو زمان و مکان اور کسی ایک خاندان کی قید کے اندر مقید نہیں کیا جاتا اور بتاتا ہے کہ یہ اصول ہے کہ ہر دور میں اللہ تعالیٰ اس کا اطلاق اہل اسلام پر کرے گا' کہ جو لوگ بغیر عذر بیماری اور لاچاری کے جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ نہیں لیتے چاہے مالی جہاد ہو یا جانی اور اس کے لیے اگر ہجرت کی ضرورت ہو تو ہجرت نہیں کرتے اور اس کے مقابلے میں جو لوگ ہجرت کرتے ہیں اور جانی اور مالی قربانی دیتے ہیں وہ اللہ کے نزدیک ایک ہی مقام و مرتبہ کے نہیں ہو سکتے۔ یہ ایک عام قاعدہ اور عام اصول ہے اور ہر زمان و مکان میں اس کا اطلاق ہو گا۔

((آیت) " (لایستوی القعدون من المومنین غیر اولی الضرر والمجھدون فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم (۴ : ۹۵

مسلمانوں میں سے وہ لوگ جو معذوری کے بغیر گھر بیٹھے رہتے ہیں اور وہ جو اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرتے ہیں دونوں کی حیثیت (یکساں نہیں ہے

اللہ تعالیٰ بات کو یہاں مجمل اور مبہم نہیں چھوڑتے بلکہ اس کی بھرپور وضاحت فرماتے ہیں اور یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ جانی اور مالی جہاد کرنے والوں کا درجہ بہت ہی بڑا ہے۔

(آیت) " (فضل اللہ المجھدین باموالھم وانفسھم علی القعدین درجۃ) (۴ : ۹۵)

(اللہ نے بیٹھنے والوں کی بہ نسبت جان ومال سے جاہد کرنے والوں کا درجہ بڑا رکھا ہے)

مجاہدین کا جو درجہ اس آیت میں بیان ہوا ہے' رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جنت میں ان کے مقام کی تفصیلات کو بتا کر واضح کیا ہے ۔ صحیحین میں ابو سعید الخدری (رض) کی حدیث میں ہے۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ جنت میں سو درجے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے لیے تیار فرمائے ہیں اور ہر ایک درجے کے درمیان اس قدر مسافت ہے کہ جس طرح زمین اور آسمانوں کے درمیان فاصلہ ہے۔

اعمش نے عمرو ابن مرہ سے روایت کی' جنہوں نے ابو عبیدہ کے واسطے سے حضرت عبداللہ ابن مسعود (رض) سے روایت فرمائی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ جس نے ایک تیر مارا اسے ایک درجے کا اجر ملے گا۔ تو ایک شخص نے پوچھا کہ حضور ایک درجہ کس قدر ہوگا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ یہ تمہاری ماں کے چوکھٹ یا سیڑھی کے مقدار کے برابر بہر حال نہ ہوگا۔ دو درجوں کے درمیان سو سال کے سفر کا فاصلہ ہوگا۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جس مسافت کا ذکر کیا ہے' آج کے دور جدید میں ہم اس کا تصور بڑی سہولت سے کر سکتے ہیں۔ اس لیے کہ اس کائنات کے اندر ہمارا علم بڑی دوری تک جا پہنچا ہے۔ ایک سیارے سے دوسرے سیارے تک روشنی کی رفتار سے بھی فاصلہ کئی نوری سالوں میں طے ہوتا ہے۔ جو لوگ رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بات اس وقت سنتے تھے وہ تو (امنا وصدقنا) کہتے تھے لیکن ہم دور جدید کے لوگ تو ان فاصلوں کو ناپ چکے ہیں اور اس کائنات کے دور دراز فاصلوں کو قریب لا چکے ہیں اور عجیب وغریب معلومات سامنے آگئی ہیں۔

البتہ قرآن مجید میں مجاہدین فی سبیل اللہ کے درجات بلند کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ یہ بھی بتاتے ہیں کہ بغیر کسی عذر و مجبوری کے بیٹھنے والوں کے مقابلے میں اگرچہ مال وجان کے ساتھ جہاد کرنے والوں کے درجے بلند ہیں لیکن (آیت) " (وکلا وعد اللہ الحسنی) (ہر ایک کے لیے اللہ نے بھلائی ہی کا وعدہ فرمایا ہے) محروم کوئی بھی نہیں ہے۔ بہر حال ایمان کا اپنی جگہ ایک بنیادی درجہ ہے۔ ایمان کے تقاضے پورے کرنے والوں کے درجات حسب جد وجہد اور جہاد زیادہ ہیں۔ خصوصا جہاد بالمال اور جہاد بالنفس کرنے والوں کے درجات سب سے بلند ہیں۔ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ درج بالا آیات میں بیٹھنے والوں سے مراد وہ منافقین نہیں ہیں جو جہاد سے پہلو تہی کرتے تھے یعنی (لمبطئین) البتہ یہ کچھ دوسرے لوگ تھے جو نہایت ہی صالح اور مخلص تھے لیکن جہاد فی المال اور جہاد فی النفس کے پہلو میں کمزور تھے قرآن کریم کی ان آیات میں روئے سخن انہی لوگوں کی جانب ہے۔ ان کو جوش دلایا جاتا ہے کہ وہ اپنی ان کوتاہیوں کی تلافی کریں۔ چونکہ ان لوگوں میں بھلائی کا مادہ موجود ہے اس لیے ان سے لبیک کہنے کی امید کی جاسکتی ہے۔

یہ نوٹ اب ختم ہوتا ہے اور پہلے اصولی قاعدے کو اب پھر دہرایا جاتا ہے۔ بہت ہی تاکید کے ساتھ ذرا مزید کھول کر اسے بیان کیا جاتا ہے تاکہ اس کے بدلے میں جو عظیم اجر ہے لوگ اس کے لوٹنے کے لیے دوڑیں۔

((آیت) "وفضل المجھدین علی القعدین اجرا عظیما"۔ (۹۵) درجت منہ ومغفرۃ ورحمۃ وکان اللہ غفور رحیما"۔ (۹۶) (۴: ۹۵۔۹۶

مگر اس کے ہاں مجاہدوں کی خدمات کا معاوضہ بیٹھنے والوں سے بہت زیادہ ہے ان کے لیے اللہ کی طرف سے بڑے درجے ہیں اور مغفرت " (اور رحمت ہے اور اللہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے

یہ عظیم تاکید' یہ خوبصورت وعدے' مجاہدین کی یہ عظیم قدر دانی اور بیٹھنے والوں کے مقابلے میں برتری درجات اور اجر عظیم کے اعلی مراتب کا ذکر جن کے لیے قلوب مومنین مشتاق رہتے ہیں۔ پھر اللہ کی جانب سے تقصیرات اور گناہوں کی معافی کا یہ اعلان عام' غرض ان تمام باتوں سے دو امور کا اظہار ہوتا ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ یہ آیات ایسے حالات میں نازل ہوئیں جو اس وقت اسلامی معاشرے میں عملا موجود تھے اور یہ آیات ان کا مداوا کر رہی تھیں ،اس میں ہمیں ایک عمدہ سبق ملتا ہے وہ یہ کہ ہم انسانی فطرت کا صحیح طرح ادراک کر لیتے ہیں اور ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ انسانی جماعتوں کا مزاج کیا ہوتا ہے۔ کوئی انسانی جماعت ایمان و عمل میں' تقوی و برتری کے جس مقام پر بھی جا پہنچی ہو بہر حال اس پر ضعف' حرص' بخل اور کمزوریوں کے جو حالات بھی طاری ہوں اور فرائض اور خصوصا جہاد کے فریضے میں اس سے جہاں بھی کوتاہی صادر ہو خواہ یہ کوتاہی جہاد بالمال کی ہو' جہاد بالنفس کی ہو یا فی سبیل اللہ جہاد میں خلوص کی کمی ہو تو ان کوتاہیوں کے ظہور کے وقت اسے تربیت اور اصلاح کی ضرورت ہوتی ہے ۔اسے ضعف' حرص' بخل اور تقصیرات سے پاک کرنے کیلئے مسلسل جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ پالیسی مناسب نہیں ہے کہ ہم مایوس ہو کر اصلاح کے کام کو چھوڑ دیں اور سوسائٹی اپنی موجودہ گراوٹ سے مزید پستی میں گرتی چلی جائے۔ اور ہم یہ کہہ دیں کہ سوسائٹی کی یہ واقعی صورت حال ہے اور ہمیں چاہیے کہ اسے قبول کر لیں اور معاشرے کے اندر جو ضعف' حرص' لالچ اور کوتاہیاں ہیں انھیں جوں کا توں چھوڑ دیں ۔اور یہ نعرہ لگائیں کہ یہ تو معاشرے کے اندر موجود صورت حال ہے۔ معاشرہ گرا ہوا ہے اور اسے اسی حالت میں رکھ کر اس کے ساتھ معاملہ کرنا چاہیے اصل بات یہ ہے کہ ہم معاشرے کے اندر اصلاح کی دعوت جاری رکھیں اور قرآنی منہاج کے مطابق معاشرے کو بلند سے بلند تر کرنے کی سعی کریں۔

دوسری جو بات ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کے ہاں جہاد بالمال اور جہاد بالنفس کی کیا قدر و قیمت ہے۔ اسلامی نظریہ حیات اور اسلامی نظام زندگی کے مزاج کے اندر جہاد فی سبیل اللہ کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اقامت دین کے طریقوں میں جہاد کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ ہر دور میں دین کے مخالفین کا مقابلہ جہاد ہی کے ذریعہ کیا جاسکتا ہے۔ اس کے سوا اور کوئی کامیاب طریقہ نہیں ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دور تک ہی محدود نہیں ہے۔ جس میں دور میں بھی دعوت اسلامی کا کام شروع ہوگا' جہاد ضروری ہوگا۔ بعض لوگوں کا یہ کہنا نہایت ہی غلط ہے کہ آغاز اسلام کے وقت دنیا میں دو بڑی شہنشاہتیں تھیں' اس لیے اس وقت اہل اسلام نے اپنے ماحول سے متاثر ہو کر یہ سوچا کہ ان کے زندہ رہنے کے لیے قوت قاہرہ کی ضرورت ہے تاکہ طاقت کا توازن قائم ہو۔

جو لوگ یہ خیالات رکھتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اسلام کو اچھی طرح نہیں سمجھا ہے اور ان کے یہ خیالات محض ظن و تخمین پر مبنی ہیں ۔ لیکن اگر اسلام میں فریضہ جہاد اسی طرح عارضی حالات کی وجہ سے ہوتا تو کتاب اللہ میں اس کا اس انداز سے بار بار ذکر نہ کیا جاتا اور سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں اس کی بار بار تاکید نہ کی جاتی۔

اگر جہاد اسی طرح ایک وقتی بات تھی تو حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ نہ فرماتے کہ "جو شخص مر جائے اور غزانہ کرے اور اس کے دل میں قتال فی سبیل اللہ کی خواہش بھی پیدا نہ ہو تو یہ شخص نفاق کی مختلف حالتوں پر سے ایک حالت میں مرے گا۔" حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا یہ فرمان نہایت ہی عام اور کامل و شامل ہے۔ جامع اور مانع ہے۔

ہاں یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بعض انفرادی حالات میں بعض لوگوں کو جہاد کی اجازت نہیں دی اور وہ بھی محض ان کے مخصوص خاندانی حالات کی وجہ سے۔ صحیحین میں یہ حدیث موجود ہے کہ ایک شخص جہاد میں شمولیت کی غرض سے آیا تو حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے سوال کیا کیا تمہارے والدین زندہ ہیں تو اس نے کہا: ہاں۔ تو حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے " فرمایا تم ان دونوں میں جہاد کرو۔

یہ ایک شخص کے لیے اس کے انفرادی حالات کے مطابق فیصلہ تھا اس سے عام قاعدہ مخصوص نہیں ہوتا۔ پھر لاتعداد مجاہدین کے ہوتے ہوئے ایک شخص کی بعض اوقات ضرورت نہیں ہوتی۔ ایک فرد سے قلّت پیدا نہیں ہوتی۔ نیز حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک ایک شخص کے حالات سے باخبر رہتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو معلوم ہوا ہو کہ اس شخص کے والدین کو سہارے کی بہت زیادہ ضرورت ہے اس لیے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اسے یہ ہدایت فرمائی۔

لہٰذا اس ایک شخص کی وجہ سے یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ جہاد ایک وقتی عمل تھا۔ اور حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دور کے ظروف واحوال کے مطابق ضروری تھا اور اب حالات بدل گئے ہیں اس لیے اب جہاد کی ضرورت نہیں ہے جہاد اس لیے فرض نہیں کیا گیا کہ اسلام کی پالیسی ہی یہ ہے کہ ننگی تلوار لے کر نکلو اور کفار سامنے آئیں ان کے سر گاجر مولی کی طرح کاٹتے چلے جاؤ۔ لیکن لوگوں کی عملی زندگی اور اس دعوت اور تحریک کا مزاج یہی ہے تلوار ہمارے ہاتھ میں ہو اور ہم ہر وقت جہاد کے لیے تیار اور محتاط رہیں۔

اللہ تعالیٰ کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ اسلامی حکومت ایک ایسا نصب العین ہے جسے بادشاہ لوگ پسند نہیں کرتے۔ اللہ کو یہ بھی معلوم تھا کہ برسر اقتدار لوگ ہمیشہ اسلام کی راہ روکیں گے اس لیے کہ اسلام ان کے طریق زندگی اور ان کے نظام زندگی کے خلاف ہے۔ یہ بات صرف کل تک محدود نہیں ہے۔ کل بھی اقتدار پر براجمان لوگ اسلامی نظام کو پسند نہ کرتے اور کل بھی اسے پسند نہیں کریں گے۔ ہر زمان اور ہر مکان میں ایسا ہی ہوگا اور ایسا ہی ہو رہا ہے۔

اللہ کو علم تھا شر اور بدی ہمیشہ خود سر اور بے حیا ہوتی ہے۔ بدی کبھی منصف نہیں ہوتی۔ بدی کا مزاج یہ ہے کہ وہ خیر اور نیکی کو پنپنے نہیں دیتی چاہے نیکی انتہائی پر امن اور دوستانہ طریقہ کار کیوں نہ استعمال کرے اس لیے کہ بھلائی کا پھیلنا ہمیشہ شرک کے لیے خطرناک ہوتا ہے۔ حق کا وجود ہی باطل کے لیے خطرہ ہوتا ہے اور شر دست درازی کے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔

لہٰذا باطل کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ سچائی کا گلا گھونٹ دے اور اسے قوت کے بل بوتے پر ختم کر دے۔ یہ شر کی فطرت ہے اور شر پر یہ حالت عارضی طور پر طاری نہیں ہوتی۔۔ یہ شر کی حقیقی فطرت اور طبیعت ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جہاد فرض کیا گیا ہے۔ ہر حالت میں جہاد فرض ہے۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ جہاد انسان سب سے پہلے نفس کے خلاف شروع کرے۔ اس کے بعد اس کا میدان جنگ وسیع ہو اور اس ظاہری دنیا کے واقعات و حالات کے اندر عملاً بھی جہاد جاری ہو اور نظر آئے۔ یاد رہے کہ مسلح شر کے مقابلے میں مسلح خیر کی ضرورت ہے اور اگر باطل کے پاس دفاعی قوت ہے تو حق کو بھی مکمل طور پر تیار ہونا ضروری ہے ۔ اگر باطل کے مقابلے میں تیاری نہ ہوگی تو سچائی خودکشی کرے گی اور اگر خودکشی نہ ہوگی تو محض گپ شپ ہوگی جو مومنین کے شایان شان نہیں ہے۔

اسلام کی راہ میں جان و مال کی قربانی ضروری ہے۔ یہی اللہ کا مطالبہ ہے' اور اللہ نیت و اہل ایمان کے مال اور جان کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے ۔ یا تو وہ غالب رہیں گے یا درجہ شہادت پائیں گے۔ یہ ہے اللہ کا حکم اور اسی میں حکمت پوشیدہ ہے۔ رہے اہل ایمان تو ان کے لیے ان کے رب کے پاس دو اچھے انجام ہیں۔ لوگ سب کے سب مرتے ہیں جب وقت پورا ہوتا ہے' لیکن شہادت حق وہی ادا کرتے ہیں جو شہید ہوتے ہیں۔

اس نظریہ حیات میں ایک مرکزی نکتہ ہے' اور اسی نکتے کے اوپر اس کا عملی نظام قائم ہے' اور یہ عملی نظام اپنے مقررہ خطوط پر آگے بڑھتا ہے۔ اس خط اور مومن کا ایک مزاج ہے اور اس کی دوٹوک فطرت ہے اور اس کے اندر ظروف و احوال کے لحاظ سے اور زمان و مکان کے اعتبار سے کوئی تغیر نہیں ہوتا۔

یہ وہ نکتے ہیں جنہیں ایک حقیقی مومن کے تصور کے اندر روشن رہنا چاہیے چاہے حالات جیسے بھی ہوں۔ انھیں بنیادی نکتوں سے جہاد کا عمل شروع ہوتا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات کہی ہے کہ یہ جہاد صرف اللہ کی راہ میں ہے' صرف اللہ کے جھنڈے تلے ہے' اس جہاد کے عمل میں جو مارے جاتے ہیں وہ شہداء ہوتے ہیں اور عالم بالا میں ان کا جنازہ بڑے دھوم سے اٹھتا ہے۔

اب جہاد کے عمل کے مقابلے میں بیٹھ جانے والوں میں سے ایک دوسرے فریق کو اسکرین پر لایا جاتا ہے۔ یہ لوگ ابھی تک مکہ کے دارالکفر میں بیٹھے ہوئے ہیں اور ہجرت نہیں کرتے۔ ان کے کچھ مالی مفادات ہیں' کچھ مصلحتیں ہیں' یا ان کی فطری کمزوری انھیں بٹھائے ہوئے ہے۔ یہ ہجرت کی مشکلات اور راستے کی تکالیف کے مقابلے کی ہمت اپنے اندر نہیں پاتے۔ اگر وہ قربانی اور مشکلات کو برداشت کرنے کا عزم کرلیں تو وہ ہجرت کرسکتے ہیں۔ اسکرین پر یہ مکہ' دارالحرب مکہ' کی جگہوں میں یونہی پھرتے ہیں کہ حضرت عزرائیل آ گران سے ان کا متاع عزیز چھین لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی حالت قرآن مجید کے اسکرین پر نہایت ہی خستہ حالت ہے' نہایت ہی قابل نفرت ہے' ہر وہ شخص جو جہاد سے دور بیٹھا ہے۔ وہ یہ چاہے گا کہ وہ اپنے دین' اپنے نظریہ حیات اور اللہ کے ہاں انجام بد کی اس صورت حال سے دور بھاگے اور اس نہایت ہی کریہہ منظر میں وہ ہرگز کھڑا نظر نہ آئے۔

97-99: اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۭ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ۭ فَاُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ۝ فَاُولٰۗىِٕكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝

(آیت) " نمبر ۹۷۔۹۹۔

یہ آیت جزیرۃالعرب میں بطور واقعہ موجود صورت حال سے بحث کرتی ہے اور یہ صورت حال مکہ وغیرہ میں حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ہجرت کے بعد عملاً موجود تھی' جبکہ مدینہ میں اسلامی مملکت قائم ہوگئی تھی۔ ابھی تک مکہ میں ایسے مسلمان موجود تھے جنہوں نے ہجرت نہ کی تھی۔ یہ لوگ وہاں اپنی کچھ مصلحتوں اور اپنی جائیداد کی وجہ سے رہ گئے تھے۔ حالات ایسے تھے کہ مشرکین مکہ کسی ایسے شخص کو جو ہجرت کررہا ہوتا' اپنے ساتھ کچھ لے جانے نہیں دیتے تھے' یا یہ لوگ ہجرت کی تکالیف کی وجہ سے بیٹھے ہوئے تھے' اس لیے کہ جو بھی ہجرت کرتا تھا اہل مکہ اس کی راہ روکتے اور اسے منع کرتے۔ بعض لوگ ایسے بھی تھے جو حقیقتاً ہجرت کرنے پر قادر ہی نہ تھے۔ بعض بوڑھے تھے بعض عورتیں تھیں اور بعض بچے تھے۔ ان لوگوں کے لیے ہجرت کرنے اور بھاگنے کی کوئی راہ سرے سے نہ تھی۔

مسلمانوں میں جو لوگ مکہ میں رہ گئے تھے ان پر مکہ والوں نے بڑی سختیاں شروع کر دی تھیں کیونکہ وہ لوگ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور حضرت ابو بکر (رض) کو گرفتار کرنے میں ناکام ہو گئے تھے۔ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مدینہ میں حکومت قائم کر کے قریش کے قافلوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا تھا اور پھر جنگ بدر میں مسلمانوں پر سخت مظالم ڈھا رہے تھے' ان کو مختلف قسم کی اذیتوں میں مبتلا کر رہے تھے' اور سخت بوکھلاہٹ میں ظلم کر رہے تھے۔

بعض لوگوں کو انھوں نے عملاً تشدد کر کے دین اسلام سے پھیر دیا تھا۔ بعض لوگ تقیہ کر کے کفر کا اظہار کر رہے تھے اور مشرکین کے ساتھ شرکیہ عبادات میں بظاہر شریک ہوتے تھے، یہ تقیہ اس وقت ان کے لیے جائز تھا جب اسلامی حکومت نہ تھی اور ہجرت کرنے کے مواقع نہ تھے۔ لیکن جب اسلامی مملکت کا قیام مدینہ طیبہ میں ہو گیا تو پھر ان کا اس طرح فتنوں کے اندر قیام کرنا یا اپنے آپ کو تقیہ پر مجبور کرنا جائز اور معقول نہ تھا جبکہ وہ ہجرت بھی کر سکتے تھے اور دار الاسلام میں امن کی زندگی بھی بسر کر سکتے تھے۔

ان حالات میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ یہ لوگ محض دولت اور مصلحت کی وجہ سے ہجرت نہ کر رہے تھے' یا وہ ہجرت کی تکالیف و مشکلات کی وجہ سے مکہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایسے حالات میں اگر ان کی موت واقعہ ہو گئی تو ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ظالم کا نام دیتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے آپ پر ظلم کر رہے تھے اس لیے کہ انھوں نے اپنے آپ کو دار الاسلام کی آزادانہ زندگی سے محروم رکھا' جہاں وہ پاک و صاف اور شریفانہ اور اپنی مرضی کی زندگی بسر کر سکتے تھے۔ جبکہ دار الکفر میں وہ ذلیل و خوار' کمزور اور مظلوم ہو کر زندگی بسر کر رہے تھے۔ اور ان پر مظالم ہو رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جہنم میں رہیں گے جو بہت برا ٹھکانا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان لوگوں کے لیے وعید ہے جنہوں نے فی الواقعہ ڈر کر کفر اختیار کر لیا تھا۔

لیکن ایسے لوگوں کی تعبیر قرآن مجید نہایت ہی زندہ اور متحرک انداز میں کرتا ہے۔ ان کے اور فرشتوں کے درمیان مکالمہ ہو رہا ہے اور یہ مکالمہ گویا زندہ افراد کے درمیان ایک اسٹیج پر ہو رہا ہے۔

((آیت)) "(ان الذین توفھم الملئکۃ ظالمی انفسھم قالوا فیم کنتم قالوا کنا مستضعفین فی الارض قالوا الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھاجروا فیھا (۴: ۹۷

جو لوگ اپنے نفس پر ظلم کر رہے تھے ان کی روحیں جب فرشتوں نے قبض کیں تو ان سے پوچھا کہ یہ تم کس حال میں مبتلا تھے؟ انھوں نے (جواب دیا کہ ہم زمین میں کمزور و مجبور تھے۔ فرشتوں نے کہا' کیا خدا کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟

قرآن انسانوں کی تربیت کر رہا تھا' اس لیے اس کے پیش نظر یہ ہدف تھا کہ وہ ان کے بھلائی اور عزت و شرف کے جذبے کو جوش میں لائے اور ان کے اندر ضعف' بخل' حرص اور سستی کے پائے جانے والے اوصاف کو ختم کرنے کی سعی کرے۔ چنانچہ اس منظر کی تصویر کشی میں قرآن

کریم نے نہایت ہی حقیقی صورت حال کو پیش کیا ہے۔ لیکن قرآن کریم اس تصویر کشی کو لوگوں کی اصلاح کے لیے استعمال کرتا ہے اور اس کے ذریعے نفوس انسانی کی اصلاح کی جاتی ہے۔

موت کا وقت ہر انسان کے لیے خوفناک ہوتا ہے۔ حالت نزع میں جو کچھ پیش آتا ہے انسان کے ذہن میں وہ تمام حالات بہت ہی تیزی کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں اور پھر اس منظر میں فرشتوں کا اسٹیج پر آنا مزید خوفناک صورت حال پیدا کر دیتا ہے اور انسان کے حواس بڑی تیزی سے کام کرتے ہیں۔

یہ لوگ مکہ میں بیٹھے ہوئے ہیں اور نظر آتا ہے کہ یہ لوگ خود اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں اور ایسے ہی حالات میں فرشتے آ پہنچتے ہیں اور ان کی روح قبض کرنے لگتے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں' اس صورت حال سے ہر زندہ شخص متاثر ہو جاتا ہے کہ یہ لوگ ایسے مظلومانہ حالات میں بیٹھے ہوئے ہیں اور فرشتے ان کی روح قبض کر رہے ہیں۔ اب ان کے لیے کوئی موقعہ نہیں رہا ہے کہ وہ اپنے ساتھ انصاف کرتے ہوئے ہجرت کر لیں کیونکہ زندگی کا موقعہ تو ایک ہی بار آتا ہے۔

اور یہ فرشتے ان کی روح کو خاموشی کے ساتھ قبض نہیں کرتے بلکہ وہ ان کے ماضی کو بھی سامنے لاتے ہیں اور نہایت ہی ناپسندیدہ انداز میں پوچھتے ہیں کہ تم نے اپنی زندگی کے قیمتی ایام کن کاموں میں ضائع کئے ؟ دنیا میں ان کا شغل کیا تھا' وہ کیا بلند مقاصد تھے جن کے لیے وہ دوڑ (دھوپ کر رہے تھے ؟ (آیت) " (قالوا فیم کنتم (۴ : ۹۷) (تم کن حالات میں رہے

کیونکہ یہ لوگ جن حالات میں رہے تھے ایسا تو نقصان ہی نقصان تھا۔ یعنی ان کے لیے وقت ضائع کرنے کے سوا کوئی اور مشغلہ ہی نہ تھا اور یہ لوگ جن پر حالت نزع طاری تھی حالت نزع میں جواب دیتے ہیں اور نہایت ہی ناپسندیدہ صورت حالات میں نہایت ہی ذلت کے ساتھ وہ سمجھتے ہیں کہ شاید یہ ان کے لیے معذرت ہو حالانکہ وہ ذلت ہے۔ (آیت) " (قالوا کنا مستضعفین فی الارض (۴ : ۹۷) (ہم تو زمین میں کمزور (لوگ تھے

ہم کمزور تھے' طاقتور لوگوں نے ہمیں دبا رکھا تھا۔ ہم ذلیل و خوار تھے۔ ہمارے ہاتھ میں کچھ نہ تھا۔ ہر شخص اس بات سے نفرت کرے گا کہ حالت نزع میں اس کے ساتھ یہ مکالمہ پیش آئے اس لیے کہ اس سے ان لوگوں کی انتہائی بے بسی کا اظہار ہوتا ہے اور یہ کہ وہ پوری زندگی اس طرح بے بس ہو کر گزار گئے اور پھر بھی ملائکہ نے انھیں نہ چھوڑا جب وہ حالت نزع سے دوچار ہوئے تو ان کو یہ کہا گیا کہ تم نے موقعہ سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

(آیت) " (الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھاجروا فیھا" ۔ (۴ : ۹۷) (کیا اللہ کی زمین بہت وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے) حقیقت یہ ہے کہ اس ذلت' مسکنت' فتنے اور کمزوری میں اپنے آپ کو وہ اس لیے مبتلا نہ کر رہے تھے کہ وہ فی الواقعہ ایسے حالات میں تھے اور لاچار تھے بلکہ کچھ

اور اسباب تھے جن کی وجہ سے انھوں نے اس ذلت کو قبول کر رکھا تھا۔ وہ لالچی تھے۔ اور دنیاوی مصلحتوں کی وجہ سے وہ ہجرت نہ کر رہے تھے اور اسی وجہ سے وہ دارالکفر میں جمے ہوئے تھے جبکہ دارالاسلام موجود تھے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو تنگی میں رکھ رہے تھے حالانکہ اللہ کی سرزمین وسیع تھی۔ ہجرت وہ کر سکتے تھے اور مشکلات کو وہ برداشت کر سکتے تھے۔

(آیت) "فاولئک فاوھم جھنم وسآءت مصیرا"۔ (۴: ۹۷) (یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بڑا ہی برا ٹھکانا ہے)

اس کے بعد مذکورہ بالا انجام سے ان لوگوں کو مستثنیٰ کیا جاتا ہے جو فی الواقعہ مجبور ہیں اور ان کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ وہ اس صورت حال سے نکل آئیں اور دارالاسلام تک پہنچ جائیں۔ یہ لوگ بچوں' ضعیف بوڑھوں اور عورتوں پر مشتمل ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایسے لوگوں کے کیسوں پر غور کیا جاسکتا ہے شاید یہ معاف ہو جائیں کیونکہ بظاہر ان کا عذر معقول ہے اور وہ مکہ سے مدینہ منتقل نہیں ہو سکتے۔

(آیت) "الا المستضعفین من الرجال والنساء والولدان لایستطیعون حیلۃ ولا یھتدون سبیلا (۹۸) فاولئک عسی اللہ ان یعفو عنھم وکان اللہ عفوا غفورا"۔ (۹۹) (۴: ۹۸۔۹۹) (ہاں جو مرد' عورتیں اور بچے واقعی بے بس ہیں اور نکلنے کا کوئی راستہ اور ذریعہ نہیں پاتے' بعید نہیں کہ اللہ انھیں معاف کر دے۔ اللہ بڑا معاف کرنے والا اور درگزر فرمانے والا ہے)

یہ حکم ابدالاباد تک رہے گا۔ یہ احکام ان حالات تک ہی محدود نہیں ہیں جو اس وقت ایک متعین سوسائٹی میں مکہ مکرمہ میں پائے جاتے تھے بلکہ یہ عام احکام ہیں۔ جس ملک میں بھی کوئی مسلمان اپنے دین کے معاملے میں مشکلات میں مبتلا ہو اور محض اپنی دولت اور جائیداد کی وجہ سے یا رشتہ داروں اور دوستوں کی وجہ سے وہ رہ رہا ہو اور محض اس ڈر سے رہ رہا ہو کہ اگر وہ اس ملک سے نقل مکانی کرے گا تو اسے مشکلات پیش آئیں گی بشرطیکہ دنیا کے کسی حصے میں دارالاسلام قائم ہو۔ اس میں لوگ امن سے رہ رہے ہوں اور اس ملک میں ایسا شخص اپنے عقیدے کا اظہار کھلے بندوں کر سکتا ہو' وہاں وہ اللہ کے احکام اچھی طرح بجالا سکتا ہو اور اسلامی شریعت کے مطابق پاک زندگی بسر کر سکتا ہو اور شریفانہ اور معزز زندگی گزار سکتا ہو ورنہ وہ مجبور تصور ہو گا۔

سیاق کلام انسانی نفوس کی تربیت کرتے ہوئے مزید آگے بڑھتا ہے۔ وہ لوگ جو ہجرت کی مشکلات سے ڈرتے ہیں اور اس وجہ سے ہجرت کی ہمت نہیں کرتے ایسے لوگوں کے بارے میں آیات سابقہ میں تو ایک نہایت ہی موثر اور خوفناک منظر پیش کیا گیا تھا اور مسلمانوں کو اس صورت حال سے متنفر کیا گیا تھا۔ اگلی آیات میں امید کی کرن دکھائی جاتی ہے۔ کوئی ہجرت کرے چاہے دارالاسلام تک پہنچے یا راستے میں مر جائے اور حالت ہجرت میں اس کی موت واقعہ ہو جائے تو فرماتے ہیں کہ گھر سے نکلتے ہی' اس کا اجر اس کا حق بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اسے بڑی وسعت نصیب ہو گی وہ آزادی سے زندگی بسر کرے گا اور اسے تنگی اور ترشی سے نجات ملے گی۔

100: وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۭ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

(آیت) " نمبر ۱۰۰۔

اس آیت میں قرآن کریم حیات نفس انسانی کے اندر پیدا ہونے والے متنوع وسوسوں کا مداوا کرتا ہے۔ اس وقت کے موجود حالات میں ہجرت کرنے میں مشکلات نظر آتی تھیں اور ایسے ہی وسوسے ہر وقت لوگوں کے سامنے آتے رہتے ہیں جب بھی کوئی شخص اللہ کی خاطر نکلتا مصائب کا شکار ہو جاتا۔

قرآن کریم ایسے نفوس کی تربیت ہی واضح طور پر کرتا ہے۔ ان کو صاف صاف بتایا جاتا ہے اور کوئی بات چھپائی نہیں جاتی۔ یہ نہیں کیا جاتا کہ اگر کوئی اقدام کرے تو اس سے پیش آنے والے خطرات کو چھپایا جائے بلکہ سب کچھ بتا دیا جاتا ہے' جن میں موت اور جان تک قربان کرنے کے خطرات شامل ہیں' لیکن قرآن کریم بعض دوسرے حقائق کے ذریعے اہل ایمان کو مطمئن بھی کرتا ہے اور ان حقائق کی ضمانت اللہ تعالیٰ خود دیتے ہیں۔

یہاں کہا جاتا ہے کہ یہ ہجرت فی سبیل اللہ ہے اور اس کے علاوہ کسی اور غرض کے لیے نہیں ہے اور اسلام میں یہی ہجرت معتبر ہے۔ یہ دولت کے لیے نہیں ہے' یہ مشکلات سے بھاگنے کے لیے نہیں ہے یہ لذات و شہوات حاصل کرنے کے لیے بھی نہیں ہے۔ غرض یہ دنیاوی مقاصد میں سے کسی مقصد کے لیے نہیں ہے اور جو شخص بھی اللہ کی راہ میں اور صرف اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا' اسے دنیا میں بہت بڑی کشادگی ملے گی زمین اس پر تنگ نہ ہو گی۔ رزق کی فراہمی کے معاملے میں بھی اس کے وسائل اور ذرائع محدود نہ ہوں گے اور ایمان اور اخروی نجات تو بہر حال حاصل ہو گی۔

(آیت) " ومن یھاجر فی سبیل اللہ یجد فی الارض مراغما کثیرا وسعۃ (۴ : ۱۰۰)

(جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں پناہ لینے کے لیے بہت جگہ اور بسر اوقات کے لیے بڑی گنجائش پائے گا)

یہ محض نفس انسانی کی کمزوری' اس کا لالچ اور بخل ہے جو اس کے ذہن میں یہ وسوسہ پیدا کرتا ہے کہ وسائل رزق دنیا کی کسی ایک جگہ کے اندر محدود ہیں اور بعض حالات تک محدود ہیں۔ اگر ان حالات اور ظروف سے کوئی نکل گیا تو اس کا رزق بند ہو جائے گا۔

یہ دراصل رزق اور وسائل حیات کے سلسلے میں ایک نہایت ہی جھوٹا تصور ہے۔ یہی وہ سوچ ہے جس کی وجہ سے انسان ذلت' زیر دستی اور دین اور ایمان کے فتنے کو قبول کرتا ہے اور پھر اس کا وہ انجام' وہ برا انجام ہوتا ہے جو ان آیات میں مذکور ہے کہ ملائکہ ایسے لوگوں کی جان لے لیتے

ہیں اور وہ اس حال میں ہوتے ہیں کہ اپنے اوپر ظلم کر رہے ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے لیے جو اللہ کی راہ میں ہجرت کرتے ہیں اچھے انجام کی یقین دہانی کراتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو آزادی ملے گی اور وہ اللہ کی اس دنیا میں بہت ہی وسعت پائیں گے۔ وہ یقیناً دیکھ لیں گے کہ وہ جہاں بھی جائیں گے اللہ انھیں زندہ رکھے گا' رزق دے گا اور آخرت میں نجات دے گا۔

لیکن یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض لوگ دوران ہجرت ہی داعی اجل کو لبیک کہتے ہیں۔ موت تو ایک برحق واقعہ ہے اور اس کا تعلق اسباب ظاہرہ سے نہیں ہے۔ جب مقررہ وقت آتا ہے تو موت حتماً آتی ہے چاہے کوئی قیام کرے یا ہجرت کرے۔ وہ نہ مقدم ہوتی ہے اور موٴخر۔

ہاں یہ اور بات ہے کہ انسانی سوچ ظاہری ظروف واحوال کے اندر ہی رہتی ہے۔ اس کی نظر میں موت کے ظاہری اسباب ہوتے ہیں اسلامی نظام ان کو بھی سامنے رکھ کر بات کرتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ راہ خدا میں گھر سے نکلتے ہی اللہ پر اجر لازم ہو جاتا ہے اور ایسے شخص کو مکمل ثواب ملے گا۔

(آیت) " ومن یخرج من بیتہ مھاجرا الی اللہ ورسولہ ثم یدرکہ الموت فقد وقع اجرہ علی اللہ "۔ (۴ : ۱۰۰)

(اور جو اپنے گھر سے اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کے لیے نکلے' پھر راستہ ہی میں اسے موت آ جائے اس کا اجر اللہ کے ذمے واجب ہو گیا)

ایسے شخص کو پوری تنخواہ ملے گی' ہجرت کا اجر سفر کا اجر دارالاسلام میں پہنچنے اور تمام مشکلات جو وہاں تھیں ان سب کا اجر اسے ملے گا۔ اس اجر اسے ملے گا۔ اس کا ضامن اللہ ہے لیکن اس اجر کی ایسی ضمانت کے ساتھ یہ اشارہ بھی دیا جاتا ہے کہ اس کے گناہ بھی بطور پنشن اور الاؤنس معاف ہو سکتے ہیں اور مزید انعامات بھی مل سکتے ہیں۔ یہ تمام مراعات اصل تنخواہ کے علاوہ ہیں۔

(آیت) " وکان اللہ غفورا رحیما "۔ (۴ : ۱۰۰) (اللہ بہت بخشش فرمانے والا اور رحیم ہے) بیشک یہ نہایت ہی نفع بخش سودا ہے۔ اس میں ایک مہاجر فی سبیل اللہ پوری قیمت وصول کر لیتا ہے۔ جونہی وہ قدم رکھتا ہے اور اللہ کی راہ میں نکلتا ہے اسے اجر ملتا ہے۔ موت تو موت ہے اس کا جب وقت آتا ہے تو اس میں تقدیم وتاخیر نہیں ہوتی۔ ہجرت کرنے اور کسی جگہ جمے رہنے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص ایک ہی جگہ جم جائے تو بھی موت آئے گی اور سودے میں اسے نقصان ہو گا۔ اسے کوئی اجر اور بخشش نہ ملے گی' بلکہ ملائکہ اسے ظالم سمجھتے ہوئے اس کی روح قبض کر لیں گے۔۔ دونوں حالتوں اور دونوں سودوں کے درمیان کس قدر فرق ہے ؟۔اور دونوں کا انجام کس قدر مختلف ہے۔

اس پورے سبق سے نتائج کیا نکلتے ہیں ؟اس سے ہمیں مختلف نتائج حاصل ہوتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ اس سبق کے دوسرے موضوعات پہ کلام ہو ذرا ان نتائج پر غور وفکر مکمل کر لیا جائے تو اچھا ہے۔

(۱) اس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اسلام جہاد فی سبیل اللہ میں شرکت نہ کرنے کو بہت ہی برا سمجھتا ہے۔ نیز اسلام اسلامی جماعت سے علیحدہ اور دور رہنے کو بھی اچھی نظر سے نہیں دیکھتا' الا یہ کہ کوئی عذر ہو اور عذر یہ ہو کہ کوئی ہجرت کے سفر پر قادر نہ ہو یا اس کے لیے کوئی راستہ نہ ہو۔

(۲) اس سبق سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی نظریہ حیات کے اندر جہاد فی سبیل اللہ کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اور اسلامی نظام کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ عمل جہاد کو جاری رکھے۔ شیعہ مکتب فکر تو جہاد کو ارکان اسلام میں سے ایک رکن شمار کرتا ہے کیونکہ اس کے حق میں بڑے قومی قرآنی دلائل ہیں' جس سے ان کے مسلک کی توضیح اور تفسیر ہوتی ہے۔ اگر یہ حدیث نہ ہوتی جس کا مضمون ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے تو ان کا مسلک درست ہوتا۔ اس کے خلاف کوئی دلیل نہ ہوتی لیکن اسلام میں جہاد پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اسلامی زندگی کے خطرات کے وقت اس کی اہمیت اپنی جگہ مسلمہ ہے۔ ہر دور اور ہر جگہ اس کی ضرورت پڑتی رہتی ہے اور اس کی ضرورت اسلام کا نہایت ہی فطری تقاضا ہے۔ محض وقتی حالات کی وجہ سے نہیں ہے اس لیے کہ تمام دلائل و شواہد یہ بتاتے ہیں کہ اسلام میں جہاد ایک اساسی اور بنیادی فریضہ ہے۔

(۳) اس سبق سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان بہر حال انسان ہی ہوتا ہے۔ نفس انسانی کے سامنے بعض اوقات مشکلات کا ہجوم ہو جاتا ہے ۔ کبھی انسان خطرات سے ڈر جاتا ہے' کبھی وہ مشکلات کو دیکھ کر سست ہو جاتا ہے اور یہ کمزوریاں انسان سے نہایت ہی صالح ترین سوسائٹیوں اور خیر الاقروں میں بھی صادر ہوتی رہی ہیں۔ لہٰذا کمزوریوں کا مداوا کرنے کے معاملے میں کبھی بھی ہمیں مایوسی کا شکار نہی ہونا چاہیے بلکہ اس معاملے میں جہد مسلسل جاری رہنی چاہیے۔ لوگوں کو آمادہ کرنا چاہیے۔ ان کو انجام کار کامیابی کے امکانات بھی دکھانے چاہئیں۔ وعظ وارشاد ہر وقت جاری رہنا چاہیے اور یہ کام قرآن کے حکیمانہ اسلوب کے مطابق ہونا چاہیے۔

(۴) سب سے آخر میں اس سبق سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم اس زندگی کی اصلاح کے لیے کس طرح جدوجہد کر رہا تھا۔ اور اس کے سامنے کس قدر واقعی مشکلات تھیں اور ان مشکلات میں قرآن نے اسلامی معاشرے کی قیادت کس طرح کی۔ قرآن کو جس معرکے کا سامنا تھا وہ ہر میدان میں جاری تھا۔ پہلا میدان نفس انسانی تھا۔ اس کی فطرت اس کا مزاج اور اس کے اندر موجود جاہلی دور کی کمزوریاں وغیرہ تو ہمیں یہ بھی غور کرنا چاہیے کہ ہم قرآن کا مطالعہ کس اسلوب کے ساتھ کریں اور جب ہم انسانی نفس اور زندگی کے واقعی حالات و مشکلات کے اندر دعوت الی اللہ دیں تو کس طرح دیں۔

اس کے بعد مہاجرین اور دوسرے مسافروں کے لیے نماز کے اندر قصر کرنے کی اجازت کا بیان آتا ہے۔ سفر چاہے جہاد کے لیے ہوں یا تجارتی سرگرمیوں کے لیے ہوں' نیز حالت خوف میں بھی قصر کی اجازت ہے' یعنی ایسے حالات میں دشمن حملہ کر کے انھیں قید نہ کر لے اور اس طرح وہ فتنے میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ یہ قصر اس قصر سے علیحدہ ہے جو محض سفر کی وجہ سے ہوتی ہے۔ یہ خاص قصر ہے اور حالت خوف سے متعلق ہے۔